

اسلام نے مال کو قیاماً للناس قرار دیا ہے اور اس کو ان تمام اقدمات سے بچانے کی تاکید کی ہے جو اس کو نقصان پہنچانے والے ہیں۔

چونکہ مذکورہ مہم یا وصیت میں یہ تمام مفاسد موجود ہیں اس وجہ سے میں اس کو صحیح نہیں سمجھتا۔
 یتیم پوتے کی وراثت یتیم پوتے کی وراثت کے معاملہ میں کمیشن نے فقہاء کے متفقہ مسلک کو درجہ اولیت کی یادگار اور ظلم عظیم قرار دیا ہے اور سفارش کی ہے کہ جلد سے جلد قانون کے ذریعہ سے اس ظلم کا خاتمہ کیا جائے۔ مگر جس نظریہ کے تحت کمیشن نے یتیم پوتے کو وراثت میں حصہ دلانے کی سفارش کی ہے اس سے وہ سارے اصول منہدم ہو جاتے ہیں جو اسلام نے تقسیم ورثہ کے لیے قرار دیئے ہیں یتیم پوتوں کے ساتھ کمیشن کو جو بھڑدی ہے وہ بجائے خود نہایت اچھی چیز ہے لیکن اس بھڑدی کی یہی ایک شکل نہیں ہے کہ ان کے لیے اسلام کے سارے قانون وراثت کو درہم برہم کر دیا جائے ایک عمدہ نظام میں یتیموں کی امداد اور بہبود کی صد ہا دوسری باغیہات شکیں ممکن ہیں بشرطیکہ حکومت کرنا چاہے۔ لیکن کمیشن کے بیان سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یتیموں کی ساری شکل کا واحد حل اگر کوئی ہے تو یہ ہے کہ ان کو داد کی جائداد میں سے حصہ دلوایا جائے۔

اس مسئلہ پر جماعت اسلامی کی طرف سے ایک پمفلٹ موسومہ ”یتیم پوتے کی وراثت کا مسئلہ“ چھپ کر شائع ہو چکا ہے۔ میرے نزدیک اس کے دلائل مذہب و جمہور کی حمایت میں اتنے واضح ہیں کہ ان کو صرف ضدی اور سٹ و حرم لوگ ہی نظر انداز کر سکتے ہیں۔ اس پمفلٹ کی موجودگی میں اس مسئلہ پر کچھ مزید لکھنا میں تعمیل حاصل سمجھتا ہوں۔

سفارشات پر تبصرہ ان سطور پر ختم ہوتا ہے۔ جو سفارشات مفید ہیں یا اگر مفید نہیں ہیں تو کچھ ایسی مفسر بھی نہیں ہیں میں نے ان پر کچھ لکھنا غیر ضروری سمجھا۔ اب آئندہ میں انشاء اللہ اصلاح کی تبادول تجاویز پیش کرنے کی کوشش کرونگا۔

لے اس پمفلٹ کے ضروری حصے اسی اشاعت میں درج کیے جا رہے ہیں تاکہ کمیشن کی اس سفارش پر بھی تنقید کا حق وا ہو جائے

یتیم پوتے کی وراثت کا مسئلہ

[اس ملک میں ایک مدت سے مندرجہ حدیث نے یہ پروپنڈیا شروع کر رکھا تھا کہ یتیم پوتے کا اپنے دادا کی میراث سے محروم ہونا قرآن کے خلاف ہے۔ اس پروپنڈے کا اصل مدعا یتیم پوتے کو میراث دلوانا نہ تھا بلکہ فقہ اسلامی کے اُس پورے ذخیرے کو ساقطاً اعتبار کر دینا تھا جو پچھلے سائے تیرہ سو برس میں فراہم ہوا ہے۔ اس لیے کہ وراثت سے یتیم پوتے کی محرومی ایک ایسا مسئلہ ہے جس پر صحابہ کرام کے دور سے لے کر آج تک تمام امت کے فقہاء متفق رہے ہیں اور اس میں حنفی شافعی مالکی حنبلی، ظاہری، اہل حدیث، شیعہ وغیرہ گروہوں کے علماء میں کوئی اختلاف نہیں پایا جاتا اب اگر ایک دفعہ یہ مان لیا جائے کہ یہ مسئلہ قرآن کے خلاف ہے، اور دوسری طرف یہ دکھایا جائے کہ اس میں فقہائے امت کے درمیان ایسا مکمل اتفاق ہے، تو پھر کوئی شخص بھی اس نتیجے تک پہنچے بغیر نہیں رہ سکتا کہ فقہ اسلامی کا یہ پورا ذخیرہ کسی اعتماد کے لائق نہیں ہے۔

اس پروپنڈے سے متاثر ہو کر سب سے پہلے چودھری محمد اقبال صاحب چیمہ نے سابق پنجاب اسمبلی میں ایک مسودہ قانون پیش کیا جس کا مقصد اسلامی قانون وراثت میں ترمیم کرنا تھا، اور اس کی تائید کے لیے لاہور ہائی کورٹ کے ججوں، اعتدال کے ڈپٹی مشنریوں، ڈسٹرکٹ ججوں، سول ججوں سرکاری محکموں کے اعلیٰ و ادنیٰ عہدہ داروں، وکیلوں اور میونسپل کونسلوں کی ایک فوج کی فوج کھڑی ہو گئی جس نے پکا نا شروع کر دیا کہ ملا کے اس قانون کو بدل ڈالا جائے۔ اس کے بعد اب سابق چیف جسٹس آف پاکستان میاں عبدالرشید صاحب کی صدارت میں عائلی کمیشن نے جو رپورٹ پیش کی ہے اس نے پھر اس مسئلے کو تازہ کر دیا ہے۔ اس لیے ہم یہاں اس مسئلے کی پوری وضاحت کر دینا ضروری سمجھتے ہیں، ذیل میں سب سے پہلے عائلی کمیشن کی رپورٹ کے اس حصے کا ترجمہ درج کیا جا رہا ہے جو یتیم پوتے کی وراثت سے متعلق ہے۔ اس کے بعد چودھری محمد اقبال چیمہ صاحب کے مسودہ قانون کی وہ

عبارت درست کی جائے گی جس میں انہوں نے اسلامی قانون وراثت پر اپنی مجوزہ زیمیم پیش کی تھی اور آخر میں وہ تبصرہ نقل کیا جائیگا جو چیپہ صاحب کے مسودہ قانون پر جماعت اسلامی کی طرف سے ۱۹۵۳ء میں شائع کیا گیا تھا۔ چونکہ اس میں عائلی کمیشن کے تازہ دلائل کا پورا جواب آگیا ہے اس لیے اس پر کسی الگ بحث کی حاجت نہیں ہے، بلکہ سابق تبصرے کا اعادہ ہی کافی ہے۔ اگرچہ عائلی کمیشن کو پہلے ہی اس تبصرے کی طرف توجہ دلا دی گئی تھی اور اس کی ایک کاپی بھی بھیج دی گئی تھی، لیکن جو لوگ ہٹ دھرمی اور ضد کے مرض میں مبتلا ہو جاتے ہیں وہ دوسری طرف کے دلائل کی طرف توجہ نہیں کیا کرتے۔ اب یہ ملک کے تعلیم یافتہ لوگوں کا کام ہے کہ دونوں طرف کے دلائل کا موازنہ کر کے خود رائے قائم کریں۔

عائلی کمیشن کی رپورٹ کا متعلقہ حصہ

”یہ بات کمیشن کے تمام ارکان نے تسلیم کی ہے کہ قرآن پاک یا کسی مستند حدیث میں ایسا کوئی حکم موجود نہیں جس کی رو سے ایک شخص کی زندگی میں مر جانے والے بیٹے یا بیٹی کی اولاد اپنے دادا کی میراث کا حصہ پانے سے محروم کی جاسکتی ہو۔ معلوم ہوتا ہے کہ زمانہ جاہلیت میں یہ رواج اہل عرب میں جاری تھا اور وہی رواج وفات یافتہ بیٹوں اور بیٹیوں کی اولاد کو دادا کی میراث سے محروم کرنے کے لیے بنیاد بنا لیا گیا ہے۔ یہ امر قابل ذکر ہے کہ اگر ایک شخص کی موت کے وقت اس کا دادا زندہ ہو اور اس کا باپ پہلے مر چکا ہو تو اس کے ترکہ میں سے دادا ہی حصہ پاتا ہے جو متوفی کا باپ زندہ ہونے کی صورت میں پاتا۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ اصول (ASCENDANTS) میں اسلامی قانون قائم مقامی (Representation) کا حق تسلیم کرتا ہے۔ لہذا یہ بات نہ منطق کی رو سے درست معلوم ہوتی ہے نہ انصاف کی رو سے کہ وہی قائم مقامی کا حق فرد (DESCENDANTS) میں تسلیم نہ کیا جائے۔ اگر ایک شخص کے پانچ لڑکے ہوں اور ان میں سے چار اس کی زندگی میں کچھ اولاد مجموعہ مر گئے ہوں تو کیا منطق یا انصاف کی رو سے کوئی معقول وجہ اس امر کی ہے کہ اس شخص کی تمام جائداد

اس کا صرف ایک لڑکا لے لے اور دوسرے لڑکوں کے بہت سے یتیم بچے میراث کے حق سے بالکل محروم ہو جائیں؟ اسلامی قانون وراثت غیر معقول اور غیر منصفانہ تو نہیں ہو سکتا۔ مزید براں جبکہ قائم مقامی کا حق ایک دادا کو اپنے اُس پوتے کی میراث سے حصہ پانے کا مستحق بنانا ہے جس کا باپ مر چکا ہو تو کیوں وہی قاعدہ فردغ میں بھی جاری ہو اور مرے ہوئے بیٹے یا بیٹی کی اولاد دادا کی میراث میں سے حصہ پائے؟ قرآن میں بکثرت احکام ایسے ہیں جن سے یتامی اور ان کی جائداد کی حفاظت اور فلاح و بہبود کے لیے بڑی فکر مندی کا اظہار ہوتا ہے۔ اس لیے ہر ایسا قانون جو یتیم بچوں کو ان کے دادا کی میراث سے محروم کرتا ہو بالکل قرآن کی مدح کے خلاف ہو گا۔

مولانا احتشام الحق صاحب کا بیان ہے کہ ائمہ اربعہ متوفی بیٹے یا بیٹی کی اولاد کو محبوب الارث قرار دینے پر متفق ہیں اور مولانا صاحب تمام ائمہ کی اس متفقہ رائے کے ہوتے اس مسئلے کو نئے سرے سے زیر بحث لانے کے لیے تیار نہیں ہیں۔ مولانا صاحب اس بارے میں اپنے خیالات اپنے اختلافی نوٹ میں واضح کریں گے۔

بعض جوابات میں یہ خیال ظاہر کیا گیا ہے کہ دادا وصیت کے ذریعہ سے اپنے پوتوں کے لیے ایک نمائندگی تک جائداد چھوڑ سکتا ہے۔ مگر یہ تجویز یتیموں کے ساتھ پورا انصاف نہیں کرتی جیسا کہ ہماری اوپر بیان کی ہوئی مثال سے ظاہر ہے۔ لہذا ہم سفارش کرتے ہیں کہ ایسا قانون بنایا جائے جس سے داداؤں کی میراث کے معاملہ میں یتیم پوتے پوتیوں کے ساتھ انصاف کیا جاسکے۔

چودھری محمد اقبال حمید صاحب کا مسودہ قانون

چونکہ یہ محسوس کیا گیا ہے کہ ایک مورث سے پہلے فوت ہو جانے والے بیٹے یا بیٹی کے لڑکوں اور لڑکیوں، پوتوں اور پوتیوں، نواسوں اور نواسیوں، یا اس سے پہلے فوت ہو جانے والے بھائی کے لڑکوں اور لڑکیوں کا وراثت سے محروم ہو جانا اسلام کی روئے کے مطابق نہیں ہے، اور انہیں اُس حق وراثت سے محروم نہ ہونا چاہیے جس کے وہ مستحق ہوتے اگر ان کا باپ یا آخری مالک کے بعد نہ ہو۔

رہ جاتا، لہذا تجویز کیا جاتا ہے کہ مغربی پنجاب کے مسلم شخصی قانون (شرعیت) کا اطلاق کرنے والے ایکٹ نمبر ۹۴۸ء میں ترمیم کر دی جائے، اور حسب ذیل قانون بنایا جائے:

”ایسی صورت میں جبکہ ایک بیٹا یا بیٹی، بھائی یا بہن وفات پا جائے قبل اس کے کہ آخری مالک کی میراث تقسیم ہونے کا آغاز ہو، وراثت کا حق اس کے ان جانشینوں اور وارثوں کی طرف راجع ہو جائے گا جو تقسیم میراث کی ابتدا ہونے کے وقت زندہ موجود ہوں، گویا کہ مذکورہ بالا اشخاص آخری مالک کی وفات کے بعد منضلاً مرے ہیں۔“

اس تجویز کے حق میں جو دلائل خود صریح صاحب نے اپنے مسودہ قانون کے خاتمہ پر درج کیے تھے وہ یہ ہیں:

”عام طور پر یہ سمجھا جاتا ہے کہ قائم مقامی کا اصول مسلمانوں کی وراثت کے شخصی قانون میں نہیں ہے اس بنا پر بحالت موجودہ آخری مالک کی وفات سے پہلے فوت ہو جانے والے بیٹے یا بیٹی اور بھائی یا بہن کے بچے اس کی میراث میں سے کوئی حصہ نہیں پاتے۔ مگر شرعیت میں کوئی ایسی صریح مانعت موجود نہیں ہے جو یہ قاعدہ مقرر کرتی ہو کہ یہ لوگ آخری مالک کے بچوں کے ساتھ حصہ پانے سے کلیتہً محروم رہیں۔ قانون کا یہ رائج الوقت تصودہ ان لڑکوں اور لڑکیوں اور بھائیوں اور بہنوں کی اولاد کو مصیبت میں مبتلا کر دیتا ہے جو آخری مالک کی زندگی میں فوت ہو گئے ہوں۔ اس لیے قانون کو اسلام کی روح کے مطابق بنانے کی خاطر مندرجہ بالا ترمیم تجویز کی گئی ہے۔“

چیمہ صاحب کے اس مسودہ قانون اور عائلی کمیشن کی تجویز میں فرق صرف اس قدر ہے کہ عائلی کمیشن تو صرف یتیم بچوں اور نواسوں کو حصہ دلوانا چاہتا ہے، مگر چیمہ صاحب ان کے علاوہ یتیم بھتیجیوں اور بھانجیوں کو بھی وراثت بنانا چاہتے تھے۔ اس فرق کے ساتھ ذیل کے دلائل اور مقاصد بالکل یکساں ہیں۔ اس کے بعد وہ تبصرہ ملاحظہ ہو جو جماعت اسلامی کی طرف سے چیمہ صاحب کے مسودہ قانون پر شائع کیا گیا تھا۔

تقسیم میراث کے متعلق قرآن و سنت کے اصولی احکام

(۱) قرآن اور سنت کی رو سے ایک آدمی اپنی زندگی میں اپنے پورے مال کا درخواست وہ اس کا اپنا کیا ہوا ہو یا اسے میراث میں ملا ہو، مالک ہے اور اس امر کا اختیار رکھتا ہے کہ جس کو چاہے دے۔ وہ اگر اپنا پورا مال بھی کسی کو ہبہ کر دینا چاہے تو اس پر کوئی پابندی نہیں ہے۔ اس کے خاندان میں اگر کوئی فرد مدد کا محتاج ہے اور وہ اس سے بھاری و محبت رکھتا ہے تو اسے پورا اختیار حاصل ہے کہ اپنے مال کا جس قدر حصہ مناسب سمجھے اس کو عطا کر دے۔ اس آزادانہ حق پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف دو پابندیاں عائد فرمائی ہیں۔ ایک یہ کہ اولاد کو ہبہ دینے میں مسابقت کا خیال رکھا جائے، کیونکہ اولاد میں سے کسی کو کسی پر ترجیح دینے سے نہ صرف بھائی بہنوں کے درمیان رشک و رقابت کے جذبات پیدا ہوتے ہیں، بلکہ خود والدین اور اولاد کے تعلقات بھی بگڑ جاتے ہیں جو کہ یہ کہ جس ہبہ کا مقصد حق داروں کو ان کے حقوق سے محروم کرنا ہو وہ جائز نہیں ہے۔

(۲) آدمی کو اپنی زندگی میں یہ حق بھی پہنچتا ہے کہ اپنے خاندان کے جن افراد کو وہ مدد کا مستحق پاتا ہو ان کے حق میں اپنی موت سے پہلے وصیت کر جائے۔ اس حق و وصیت پر قرآن مجید نے صرف یہ پابندی عائد کی ہے کہ اس میں "حنیف" اور "إثم" نہ ہو یعنی ایسی وصیت نہ کی جائے جو ظلم و زیادتی اور حق داروں کی حق تلفی پر مبنی ہو۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن کے اس مجمل حکم کی تشریح کے اور پر وصیت کے بارے میں تین پابندیاں عائد فرمادیں۔ اول یہ کہ وارثوں کے جو حصے اللہ تعالیٰ نے قرآن میں مقرر فرمائے ہیں ان میں کمی یا بیشی کرنے کی وصیت نہیں کی جاسکتی (لا وصیۃ لوارث)۔ دوم یہ کہ جن لوگوں کے حصے قرآن میں مقرر نہیں کیے گئے ہیں ان کو زیادہ سے زیادہ ۱/۴ حصہ مال دینے کی وصیت کی جاسکتی ہے۔ ۱/۴ لازماً وارثوں کے لیے چھوڑنا ہو گا۔ سوم یہ کہ کوئی شخص کسی وارث کو محروم الارث کرنے کی وصیت نہیں کر سکتا۔

۱۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ان تینوں ہدایات کے متعلق یہ دیکھا جاسکتا ہے کہ یہ خود قرآن مجید کے ایک ارشاد

(۳) میراث کا سوال آدمی کی زندگی میں نہیں بلکہ اُس وقت پیدا ہوتا ہے جب کہ وہ کچھ مال چھوڑ کر مر گیا ہو۔ قرآن میں اس بنیادی قاعدے کو متعدد مقامات پر وضاحت کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ ایک جگہ فرمایا :-

لِلرَّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ
وَالْأَقْرَبُونَ وَلِلنِّسَاءِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ
وَالْأَقْرَبُونَ مِمَّا قَدَرْتُمْ رِشَاءً لِّلنِّسَاءِ
مَرُودٍ كَیْسَ اُس مال میں سے حصہ ہے جو والدین اور
قرب تر رشتہ داروں نے چھوڑا ہو اور عورتوں کے لیے
اس مال میں سے حصہ ہے جو والدین اور قریب تر
رشتہ داروں نے چھوڑا ہو۔

دوسری جگہ فرمایا :-

اِنْ امْرُؤٌ هَلَكَ لَيْسَ لَهُ وَلَدٌ وَلَهُ
اِگر کوئی شخص ہلاک ہو جائے اور اس کے کوئی اولاد

۴۔ کی توضیح و تشریح ہیں، اور یہ بھی دیکھا جاسکتا ہے کہ اگر یہ تشریح آپ کی طرف سے نہ کر دی جاتی تو لوگ وصیت کرنے میں سخت بے انصافیاں کر جاتے لیکن منکرینِ حدیث کو یہ ضد ہے کہ وہ ہر اُس چیز میں کٹے نکلنے لگتے ہیں جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہو، گویا کہ انہیں اب حضور کے نام مبارک ہی سے چڑھ گئی ہے۔ چنانچہ ادارۃ ملوے اسلام کے شائع کردہ پمفلٹ ”یتیم پوتے کی وراثت“ میں ارشاد ہوتا ہے:

”مورودی صاحب نے منشاءِ وصیت کا بھی ذکر کیا ہے۔ اس سلسلے میں لکھتے ہیں کہ ۱/ حصہ مال کی حد

تک وہ وصیت کر سکتا ہے یہ چیز بھی قرآن کریم کی کھلی ہوئی مخالفت ہے۔ قرآن نے وصیت کا پورا پورا حق دیا ہے اور کہیں یہ نہیں لکھا کہ وصیت صرف ۱/۳ حصہ مال میں ہو سکتی ہے۔ اللہ نے وصیت کا حکم میں نہیں کہا کہ وصیت صرف ۱/۳ حصے میں ہو سکتی ہے لیکن ملاحظہ ہے کہ نہیں تم وصیت صرف ۱/۳ حصے میں کر سکتے ہو یعنی معاذا اللہ خدا کو اتنی بات بھی کہنی نہیں آتی تھی کہ وصیت ۱/۳ حصے میں کی جاسکتی ہے جو اس کے لیے بھی روایات کا محتاج ہو گیا۔ یہ ہے ملا کارو یاتی مذہب۔“

گویا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی منہیں مان دیوں کو اسرار ہے کہ ایک شخص قرآن کے مقرر کردہ حصوں میں تو بول کر دینے کی وصیت بھی کر سکتا ہے، اور کسی ایک وارث کو سب کچھ دے کر باقی سب وارثوں کو محروم بھی کر سکتا

أَخْتُ فَلَهَا نِصْفُ مَا تَرَكَ - نہ ہو اور اس کی ایک بہن ہو تو جو کچھ اس نے چھوڑا اس کا نصف بہن کے لیے ہے۔ (النساء - ۱۱۶)

اسی طرح سورہ نساء کی آیات ۱۱، ۱۲ میں میراث کا قانون بیان کرتے ہوئے بار بار تَرَكَ اور تَرَكَتُمْ اور تَرَكَتُكُنَّ کے الفاظ کا اعادہ کیا گیا ہے۔

(۴) مذکورہ بالا بنیادی قاعدے سے جو اصول نکلتے ہیں وہ یہ ہیں :-

الف - میراث کا کوئی حق مورث کی موت سے پہلے پیدا نہیں ہوتا۔

ب - میراث کے حقوق صرف ان لوگوں کو پہنچتے ہیں جو مورث کی موت کے بعد فی الواقع زندہ موجود ہوں، نہ کہ زندہ فرض کر لیے گئے ہوں۔

ج - مورث کی زندگی ہی میں جو لوگ وفات پا چکے ہوں ان کا کوئی حق اس کی میراث میں نہیں ہے۔ کیونکہ وہ اس وقت مر چکے تھے جب کہ سرے سے کوئی حق وراثت پیدا ہی نہیں ہوا تھا۔ لہذا کوئی شخص ان پہلے کے فوت شدہ لوگوں کا وارث یا قائم مقام ہونے کی حیثیت سے مورث کے ترکے میں اپنے کسی حق کا دعویٰ نہیں کر سکتا۔ البتہ اگر وہ بجائے خود اپنا کوئی شرعی حق اس کی میراث میں رکھتا ہو تو وہ اسے پاسکتا ہے۔

(۵) مورث کے وفات پا جانے پر جو لوگ زندہ ہوں ان کے درمیان میراث تقسیم کرنے کے لیے قرآن جو قاعدہ مقرر کرتا ہے وہ یہ نہیں ہے کہ جو حاجت مند یا تباہی رحم ہو اس کو دیا جائے بلکہ یہ ہے کہ جو رشتے میں مورث سے قریب تر ہو، یا بالفاظ دیگر مورث جس سے رشتے میں قریب تر ہو، وہ حصہ پائے اور قریب تر رشتہ دار کی موجودگی میں بعید تر حصہ نہ پائے۔

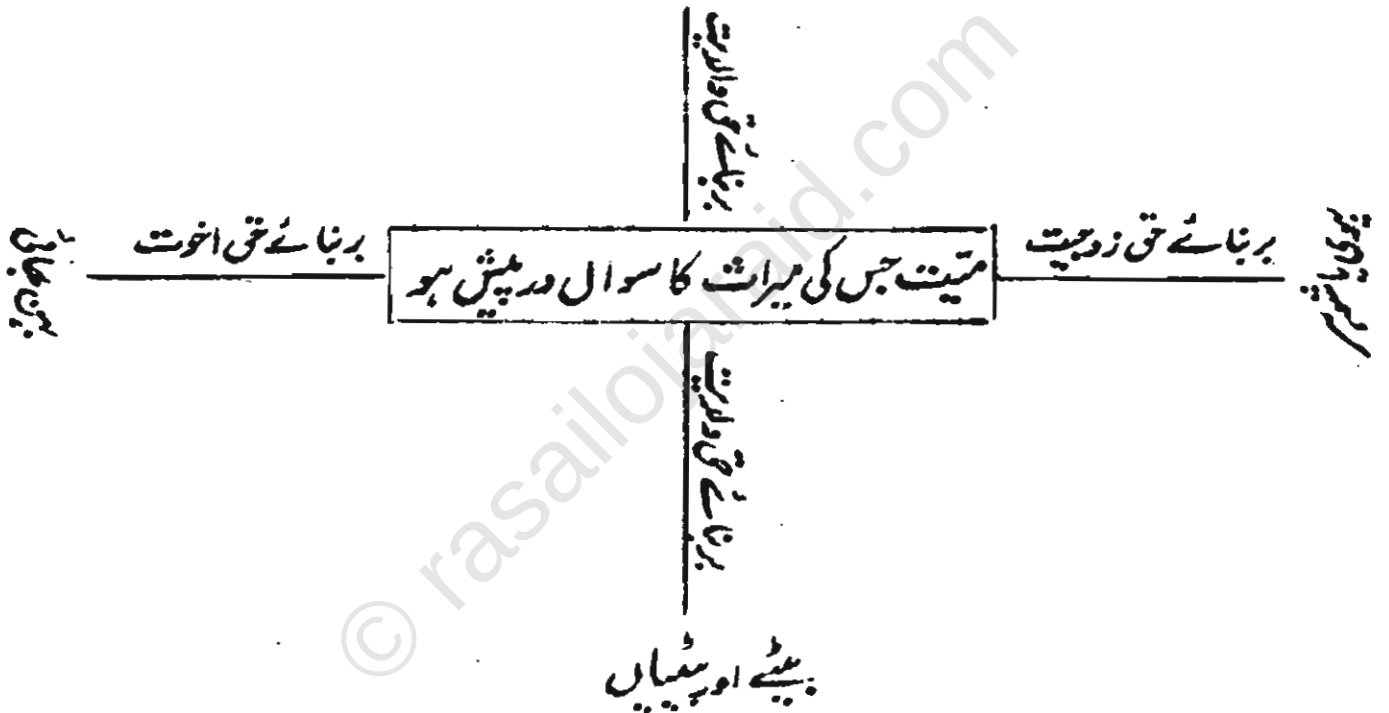
یہ قاعدہ سورہ نساء کی آیت ۷ کے ان الفاظ میں بیان ہوا ہے:

۴۔ ہے اور کسی وارث کو محروم الاءت قرار دینے کی وصیت بھی کر سکتا ہے۔ صاف اور سیدھے الفاظ میں ان لوگوں کا مطلب یہ ہے کہ نبی کو ہم زبان کھولنے کی اجازت نہ دیں گے۔ قرآن کا جو مطلب نبی بیان کرے وہ غلط اور جو کچھ ہم بیان کریں وہ صحیح ہے۔

مَا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ - اس مال میں سے جو چھوٹا بہو والدین اور قریب تر رشتہ داروں نے -

۶۷) ایک آدمی کے قریب ترین رشتہ داروں میں، اس کو قرآن خود بیان کر دیتا ہے اور اس کے ساتھ یہ بھی بتا دیتا ہے کہ ان میں سے ہر ایک کا کتنا حصہ ہے۔ اُس کے بیان کی رُو سے وہ رشتہ دار یہ ہیں :-

باپ اور ماں



بیٹے اور بیٹیاں

ان رشتہ داروں کو شریعت کی اصطلاح میں "ذوی الغرض" کہتے ہیں یعنی وہ رشتہ دار جن کے لئے خدا نے خود مقرر کر دیئے ہیں۔ اس قرآنی انتظام پر ایک نگاہ ڈالتے ہی یہ محسوس ہوتا ہے کہ یہاں حقوق کی تقسیم چار سمتوں میں چار مختلف حیثیتوں سے کی گئی ہے :-

الف۔ اوپر باپ اور ماں ہیں جن کو حق ولایت پہنچتا ہے۔ یہ حق باپ اور ماں کی موجودگی میں کسی دوسرے کو نہیں پہنچ سکتا۔ البتہ اگر باپ نہ ہو تو حق پدری دادا کو اور دادا بھی نہ ہو تو پردادا کو پہنچے گا۔ اسی طرح اگر ماں نہ ہو تو حق مادری مادی اور نانی کو، انددادی اور نانی بھی نہ ہوں تو پردادی اور پردادی کو پہنچ جائے گا۔ اب چونکہ آدمی کا باپ ایک ہی ہوتا ہے اس لیے اس کے نہ ہونے

کی صورت میں حق پدري دادا کو پہنچ جاتا ہے، ورنہ اگر ایک آدمی کے دو یا زیادہ باپ ہوتے تو جب تک ان میں سے ایک بھی زندہ موجود رہتا دادا کو حق پدري نہیں پہنچ سکتا تھا۔ یہ ممکن نہ تھا کہ تین باپوں میں سے ایک کے مرتے ہی دادا اس کی جگہ آکھڑا ہوتا اور پوتے سے کہتا کہ بیچ کی رکاوٹ ہٹ جانے کے بعد اب تو براہ راست میرا نطفہ ہو گیا ہے۔

ب۔ نیچے کی طرف حق ولدیت ہے جو انہی بیٹوں اور بیٹیوں کو پہنچتا ہے جو میت کے نطفے یا اس کے بطن سے پیدا ہوئے ہوں۔ ان کی موجودگی میں یہ حق کسی طرح بھی اولاد کی اولاد کو نہیں پہنچ سکتا۔ البتہ اگر ان میں سے کوئی بھی موجود نہ ہو تو حق ولدیت اولاد کی اولاد کو پہنچ سکتا ہے۔ باپ اور ماں کے برعکس ایک آدمی کے نیچے چونکہ بہت سے ہو سکتے ہیں، اس لیے یہ بات اکثر پیش آتی ہے کہ ایک یا چند نیچے آدمی کی زندگی میں مر جائیں اور ایک یا چند نیچے اس کے مرنے کے بعد زندہ رہیں۔ اسی وجہ سے حق ولدیت کے برعکس حق ولدیت کے معاملے میں یہ صورت پیدا ہو جاتی ہے کہ اولاد کی موجودگی میں اولاد کی اولاد کو میراث نہیں پہنچتی۔ اس معاملے کی اصولی نوعیت کو جو لوگ نہیں سمجھتے وہ اس صورت حال کو دیکھ کر یہ اعتراض جڑ دیتے ہیں کہ جب باپ کے مرنے پر حق والدیت دادا کو پہنچ جاتا ہے تو بیٹے کے مرجانے کی صورت میں حق والدیت پوتے کو کیوں نہیں پہنچتا؟ حالانکہ یہ اعتراض اگر صحیح ہو سکتا تھا تو صرف اُس صورت میں جب کہ ایک آدمی بیک وقت تین چار آدمیوں کا بیٹا ہوتا اور پھر ان میں سے کسی ایک کے مرجانے پر دادا کو حصہ پہنچ جاتا، یا پھر ایک آدمی کی زندگی میں اُس کی ساری اولاد کے مرجانے کے باوجود اُس آدمی کے پوتوں پوتیوں کو حصہ نہ دیا جاتا۔ پھر یہ لوگ اس پر مزید ایک غلطی یہ کرتے ہیں کہ باپ کی غیر موجودگی میں دادا کے حق پدري پانے کو قائم مقامی (REPRESENTATION) کے قاعدے پر مبنی سمجھ لیتے ہیں اور اصرار کرتے ہیں کہ جس طرح باپ کے مرتے ہی دادا اس کی جگہ آکھڑا ہوتا ہے اسی طرح بیٹے کے مرتے ہی پوتے کو اس کی جگہ آکھڑا ہونے کی اجازت دی جائے۔ حالانکہ یہ معاملہ راشن ڈپو کے خریداروں کی قطار کا نہیں ہے بلکہ اصولی قرب و بعد کا ہے۔ جب تک وہ شخص موجود ہے جس کا ایک آدمی براہ راست نطفہ ہے اُس وقت تک حق پدري کسی ایسے شخص کو نہیں پہنچ سکتا جس کا وہ بالواسطہ نطفہ ہو۔ اسی طرح جب تک وہ اولاد موجود ہے

جوا آدمی کی صلب سے براہ راست پیدا ہوئی ہے اس وقت تک بالواسطہ اولاد کبھی اولاد کا حق لینے کی مستحق نہیں ہو سکتی۔ باپ کے نہ ہونے کی صورت میں دادا اس بنا پر حق پدری نہیں پاتا کہ وہ باپ کی جگہ اکھڑا ہوا ہے بلکہ اس بنا پر پاتا ہے کہ بلاواسطہ پدر کی غیر موجودگی میں بالواسطہ پدر کو آپ سے آپ یہ حق پہنچ جاتا ہے۔

ج۔ دائیں جانب حق زوہیت ہے جو عرفہ اس شخص کو پہنچ سکتا ہے جو فی الواقع میت کا زوج ہو۔ قائم مقامی کا اصول یہاں بھی نہیں پایا جاتا کہ شوہر کے حین حیات اگر بیوی مر چکی ہو تو اس کے دائروں میں سے کوئی اس کا قائم مقام ہونے کی حیثیت سے شوہر کے ترکے میں سے حق زوہیت، مائیکے، یا شوہر بیوی کی زندگی میں مر چکا ہو تو اس کے دائروں میں سے کوئی عورت کے مال میں سے حق زوہیت کا طلب گار ہو سکے۔

د۔ بائیں جانب حق اخوت ہے جو اولاد اور باپ کے نہ ہونے کی صورت میں صرف بھائی بہنوں ہی کو پہنچتا ہے، خواہ وہ حقیقی ہوں یا علقاتی (یعنی باپ کی طرف سے، یا اخیانی (یعنی ماں کی طرف سے)، قائم مقامی کا اصول یہاں بھی نہیں ہے کہ بھائی کی غیر موجودگی میں اس کی اولاد قائم مقام ہونے کی حیثیت سے اس کا حصہ پائے۔ بھتیجوں کو اگر حصہ پہنچے گا تو ذوی الفروض کے نہ ہونے کی صورت میں، یا ذوی الفروض کے حصے ادا ہو جانے کے بعد عصباء ہونے کی حیثیت سے اپنے ذاتی حق کی بنا پر پہنچے گا نہ کہ کسی کا قائم مقام ہونے کی حیثیت سے۔

(۷) قرآن مجید نے صرف ان رشتہ داروں کے حقوق بیان کیے ہیں جو مذکورہ بالا چار حقوق میں سے کوئی حق رکھتے ہوں اور ان کے حصے اس نے خود مقرر کر دیئے ہیں۔ اس کے بعد دو سوالات پیدا ہوتے ہیں۔ اول۔ یہ کہ قرآن نے جو حصے مقرر کر دیئے ہیں ان کو ادا کر دینے کے بعد جو کچھ بچے وہ کہاں جائے گا؟ دوم، یہ کہ قرآن نے جن رشتہ داروں کے حقوق مقرر کیے ہیں وہ اگر نہ ہوں تو کن کو وراثت پہنچے گی؟ ان دونوں سوالات کا جواب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مستند شارح قرآن ہونے کی حیثیت سے خود قرآن ہی کے اشارات کی بنا پر یہ دیا ہے کہ قریب ترین رشتہ داروں کے حق ادا ہو چکنے کے بعد یا ان کی

غیر موجودگی میں، حق میراث اُن قریب تر جدی رشتہ داروں کو پہنچے گا جو ایک آدمی کے فطرثا پشتیبان اور حامی و ناصر ہوتے ہیں۔ یہی معنی ہیں "عصبات" کے یعنی آدمی کے وہ اہل خاندان جو اس کے لیے تعصب کرنے والے ہوں۔ اور اگر وہ موجود نہ ہوں تو پھر یہ حق "ذوی الارحام" (رحمی رشتہ داروں مثلاً ماموں، نانا، بھائی، اور بیٹی یا پوتی کی اولاد) کو دیا جائے گا۔ یہاں بھی دو قائم مقامی کا اصول کام کرتا ہے اور نہ یہ اصول کہ جو محتاج اور قابل رحم ہو اس کو میراث دی جائے۔ بلکہ قرآن کے بتائے ہوئے چار اصول اس مسئلہ میں کارفرما ہیں۔

ایک یہ کہ قریب ترین کے بعد حصہ قریب تر کو پہنچے گا اور قریب تر کی موجودگی میں بعید تر حصہ نہ پائیگا۔
وَمَا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ

دوسرے یہ کہ غیر ذوی الفردض کو وراثت قرار دینے میں یہ دیکھا جائے گا کہ میت کے لیے نفع کے لحاظ سے قریب تر، یعنی اس کی حمایت و نصرت میں فطرثا زیادہ سرگرم کون ہو سکتے ہیں۔ (رَأَيْتُمْ أَفْرَبَكُمْ نَفَعًا)۔

تیسرے یہ کہ عورتوں کی یہ نسبت مرد فطرثا عصبہ ہونے کے زیادہ اہل ہوتے ہیں۔ اسی لیے قرآن ماں اور باپ میں سے عصبہ باپ کو قرار دیتا ہے اور اسی لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ فرض حصے ادا کرنے کے بعد باقی ترکہ قریب ترین مرد کو دو۔ لیکن بعض حالات میں عورت بھی عصبہ ہو سکتی ہے مثلاً یہ کہ میت کی وراثت بیٹیاں ہی ہوں اور کوئی مرد عصبہ موجود نہ ہو تو بیٹیوں کا حصہ فرض ادا کرنے کے بعد باقی میت کی بہن کو دیا جائے گا کیونکہ وہ اس کی پشتیبان ہوتی ہے۔

چوتھا اصول قرآن نے اس طرح بیان کیا ہے کہ اُولُو الْأَرْحَامِ بَعْضُهُمْ أَوْلَىٰ بِبَعْضٍ (رحمی رشتہ دار اجنبیوں کی یہ نسبت ایک دوسرے کے زیادہ حق دار ہیں) اسی بنا پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: الخال وارث من لا وارث له (جس کا کوئی اور وارث نہ ہو اس کا وارث اُس کا ماموں ہے)۔

یہ ہیں تقسیم میراث کے اسلامی اصول جن کو سمجھنے میں کوئی ایسا شخص غلطی نہیں کر سکتا جس نے کبھی قرآن کو سمجھ کر پڑھا ہو اور اس کے مضمرات پر غور کیا ہو۔ یہی وجہ ہے کہ عصبات کی تعیین اور ذوی الارحام

کی میزبانی کے مسائل کو چھوڑ کر قانون وراثت کے بنیادی اصولوں میں تمام امت کے علماء و شریعہ سے آج تک متفق رہے ہیں اور موجودہ زمانے کے بے علم مجتہدین کے سوا کبھی اسلامی تاریخ کے دوران میں یہ آواز نہیں سنی گئی کہ قرآن کے اس قانون کو سمجھنے میں ساری امت کے علماء بالاتفاق غلطی کر گئے ہیں۔

مجوزہ ترمیمات

اب دیکھیے کہ تقسیم میراث کے ان اصولوں میں چھ صاحب کیا ترمیمات تجویز کرتے ہیں:-
 اول یہ کہ اسلامی قانون میراث میں ”قائم مقامی“ کا اصول تسلیم کیا جائے اور جو بیٹے یا بیٹیاں اور بھائی یا بہن کسی شخص کی زندگی ہی میں فوت ہو گئے ہوں، ان کے وارثوں کو ان کا قائم مقام ملن کر یہ حق دیا جائے کہ وہ اس شخص کی میراث میں سے حصہ پائیں۔

دوم یہ کہ اس نئے اصول کو اسلامی قانون میں لپیٹنے کی خاطر یہ بالکل خلاف واقعہ بات فرض کر لی جائے کہ جو لوگ مورث کی زندگی میں مر گئے تھے وہ مرے نہیں بلکہ مورث کی وفات کے بعد تک زندہ رہے۔ اس جھوٹ پر قانون کی بنیاد رکھنا اس لیے ناگزیر ہے کہ جیت تک انہیں زندہ فرض نہ کیا جائے، قرآن کی رو سے مورث کے ترکے میں ان کا اپنا ہی حق میراث پیدا نہیں ہوتا لہذا ان کے کسی قائم مقام کے حق وراثت کا سوال پیدا ہو سکے۔

سوم یہ کہ اس اصول کو عمل میں لانے کی خاطر مزید ایک جھوٹ یہ بھی فرض کیا جائے کہ دوسرے ہوئے لوگ (جن کو زندہ فرض کیا گیا تھا) مورث کی وفات کے بعد میں اتنی دیر تک زندہ رہے کہ مورث کے مال میں ان کا حق وراثت قائم ہو گیا۔ اور یہ خدمت انجام دیتے ہی بے چارے سب کے سب بیک وقت وفات پا گئے۔ یہ دوسرا جھوٹ اس لیے قانون میں داخل کرنا ضروری ہے کہ اگر وہ فوراً ہی نہ مر جائیں تو وراثت ان قائم مقاموں کی طرف منتقل کیے ہو جنہیں چھ صاحب حصہ دلوانا چاہتے ہیں۔

چہارم یہ کہ اس نرے اصول کی پیچیدگیوں سے بچنے کی خاطر ایک تیسرا جھوٹ یہ بھی فرض کر لیا

جائے کہ جو لوگ مورث کی زندگی میں یکے بعد دیگرے مختلف اوقات میں مرے تھے، انہوں نے مورث کی وفات کے بعد زندگی کے چند قانونی سانس بے کر بیک وقت وفات پائی، کیونکہ اگر ان کی قانونی وفاتوں کے درمیان وہی فاصلہ مان لیا جائے جو ان کی واقعی وفاتوں کے درمیان تھا، اور وہی ان کے مرنے کی ترتیب بھی مان لی جائے تو اندیشہ ہے کہ اس دوران میں ہر ایک کے بہت سے نئے "قائم مقام" پیدا ہو جائیں گے۔

یہ ہے وہ قانون جو اس دعوے کے ساتھ پیش کیا گیا ہے کہ پچھلے ۱۲، ۱۳ سال کے دوران میں جس قانون وراثت کو تمام امت کے علماء اسلامی قانون وراثت کہتے رہے ہیں وہ اسلام کی صریح کے خلاف تھا، اوصاف یہ قانون جس کی بنا پورے تین جھوٹوں پر رکھی گئی ہے، عین اسلام کی وصیت کے مطابق ہے۔

دلائل کا جائزہ

لطف یہ ہے کہ امت کے متفق علیہ قانون وراثت پر خط نسخ پھرنے کے لیے تو چیمہ صاحب یہ دلیل پیش کرتے ہیں کہ قرآن و حدیث میں کہیں صاف الفاظ میں یہ نہیں کہا گیا ہے کہ "بیٹوں اور بیٹیوں کی موجودگی میں پوتے اور کوا سے میراث نہیں پاسکتے" لیکن اپنے تجویز کردہ قانون کے حق میں انہوں نے قرآن کی کوئی آیت اور حدیث کی کوئی عبارت ایسی پیش نہیں فرمائی جس میں بالفاظ صریح یہ لکھا ہو کہ مورث کی زندگی میں مرجانے والے بیٹوں، بیٹیوں اور بھائی بہنوں کے وراثت ان کے قائم مقام بن کر مورث کی وفات کے بعد اس کی وراثت میں سے حصہ میں آئے اس طرح کی صراحت اگر رائج الوقت شرعی قانون کے حق میں نہیں ہے تو چیمہ صاحب کے تجویز کردہ قانون کے حق میں بھی نہیں ہے مگر منطق کے اصول چیمہ صاحب کے لیے خانہ زاد واقع ہوئے ہیں کہ ایک طرف تو نص صریح کی غیر موجودگی، اجماع امت پر بنے ہوئے قانون کے خلاف دلیل بنتی ہے اور دوسری طرف وہی نص صریح کی غیر موجودگی چیمہ صاحب کے اپنے تجویز کردہ قانون کے حق میں دلیل بن جاتی ہے۔

اس منفی استدلال کے ساتھ جو مثبت استدلال چیمہ صاحب نے کیا ہے وہ یہ ہے کہ جو قانون مجوز فرما رہے ہیں وہ روح اسلام کے مطابق ہے، اور جس قانون کو ساری امت کے علماء پچھلی تیرہ صدیوں سے قانون شرعی کہتے رہے ہیں وہ اس کے خلاف ہے۔ مگر سوال یہ ہے کہ وہ کیا روح اسلام ہے جو اس قانون میں چیمہ صاحب کے پیش نظر ہے، اور وہ کہاں سے انہوں نے اخذ کی ہے؟ اگر وہ روح اسلام صرف یہ ہے کہ اسلام یتیموں اور بے کسوں کا حامی ہے اور اسی روح کو چیمہ صاحب قانون سازی کی بنیاد بنا دینے کے لیے کافی سمجھتے ہیں تو انہیں چاہیے تھا کہ قانون میراث میں ترمیم پیش کرنے سے پہلے قانون خودداری میں یہ ترمیم پیش فرماتے کہ کسی ایسے قاتل کو موت کی سزا نہ دی جائے جو اپنے پیچھے نابالغ بچے رکھتا ہو۔ کیونکہ یتیم کو وراثت سے محروم کرنے کی بہ نسبت خود یتیم بنا دینا اور بھی زیادہ ظالمانہ فعل ہے جسے روح اسلام سے کوئی مناسبت نہ ہونی چاہیے لیکن اگر وہ روح اسلام چیمہ صاحب نے قرآن کے قانون میراث سے اخذ کی ہے تو براہ کرم وہ ہمیں بتائیں کہ قرآن کی کس آیت سے انہوں نے یہ سمجھا ہے کہ تقسیم میراث کی بنیاد رشتے کے قرب و بعد کے بجائے آدمی کا حاجت مند یا قابل رحم ہونا ہے؟ اور گلستانِ قرآنی نے نہ کون سے پھول ہیں جن سے یہ عطر انہوں نے کشید فرمایا ہے کہ قانون کی بنیاد خفائق کے بجائے جھوٹے مفروضات پر رکھی جائے؟

اعتراضات

اب ہم تفصیل کے ساتھ یہ بتائیں گے کہ اس قانونی تجویز پر اصولاً کیا اعتراضات وارد ہوتے ہیں، اس سے کیا قباحتیں رونما ہوں گی اور یہ سراسر ایک معقول اور منظم قانون میراث کو کس طرح غیر معقول اور پرانگندہ کر کے رکھ دے گا۔

اس پر پہلا اعتراض یہ ہے کہ یہ اسلامی قانون میراث میں قائم مقامی کا ایک بالکل غلط نظریہ داخل کر دیتی ہے جس کا کوئی ثبوت قرآن میں ہم کو نہیں ملتا۔ قرآن کی رو سے جو شخص بھی میراث کا کوئی حصہ پاتا ہے خود میت کا اقرب ہونے کی حیثیت سے پاتا ہے، نہ کہ کسی دوسرے اقرب

کے قائم مقام کی حیثیت سے۔ اولاد کی غیر موجودگی میں اولاد کی اولاد، اور والدین کی غیر موجودگی میں والدین کے والدین اس لیے میراث نہیں پاتے کہ وہ کسی کے قائم مقام ہیں، بلکہ اس لیے پاتے ہیں کہ بلا واسطہ اولاد اور بلا واسطہ والدین کی غیر موجودگی میں بلا واسطہ اولاد اور بلا واسطہ والدین کو آپ سے آپ حق ولدیت اور حق والدیت پہنچ جاتا ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ بیوی اور شوہر کے وارث چونکہ کوئی بلا واسطہ یا بلا واسطہ حق زوجیت نہیں رکھتے اس لیے ایک مرد یا عورت کے مرنے پر اس کی بیوی یا اس کے شوہر کے وارثوں کو میراث میں سے کوئی حصہ نہیں ملتا۔ ورنہ اگر قائم مقامی کا اصول واقعی اسلامی قانون میں موجود ہوتا تو کوئی وجہ نہ تھی کہ ماس اور خسر اور سولے اور سوتیلے بچے میراث کا کوئی حصہ نہ پاتے۔

دوسرا اعتراض یہ ہے کہ قائم مقامی کا اصول تسلیم کر لینے کے بعد یہ تجویز اس کو صرف بیٹے بیٹیوں اور بھائی بہنوں تک محدود رکھتی ہے، حالانکہ اس کے لیے کوئی معقول دلیل موجود نہیں ہے۔ اگر قائم مقامی کا اصول واقعی کوئی صحیح اصول ہے، تو پھر قانون یہ ہونا چاہیے کہ:

”برایا شخص جو مورث کی وفات کے بعد زندہ موجود ہونے کی صورت میں شرعاً اس

کا وارث ہو وہ اگر مورث کی زندگی ہی میں مر گیا ہو تو اس کے تمام شرعی وارثوں کو اس شخص

کا قائم مقام مانا جائے گا اور وہ مورث کی وفات کے بعد اس کی میراث میں سے حصہ

پائیں گے۔“

مثلاً ایک شخص کی بیوی اس کی زندگی میں مر جاتی ہے۔ آخر کیا وجہ ہے کہ اس بیوی کے وارث اس کے قائم مقام نہ مانے جائیں؟ ایک شخص کا باپ اس کی زندگی میں مرتا ہے۔ قائم مقامی کا اصول تسلیم کر لینے کے بعد کوئی معقول دلیل ایسی ہے جس کی بنا پر اس متوفی باپ کے تمام وارثوں کو اس کا قائم مقام مان کر سب کو اس شخص کے ترکے میں حصہ دار نہ بنایا جائے۔ صرف اولاد اور بھائی بہنوں کے وارثانہ حصہ اس اصول کو محدود رکھنا اور زوجین اور والدین کے وارثانہ قائم مقامی کے حق سے مستثنیٰ کر دینا اگر کسی قرآنی دلیل پر مبنی ہے تو وہ ارشاد ہو، اور اگر کسی عقلی دلیل پر مبنی ہے تو اسے جی چھپا کر

نہ رکھا جائے۔ ورنہ پھر سیدھی طرح یہ کہہ دیا جائے کہ جس طرح قائم مقامی کا اصول ہمارا خود ساختہ ہے اسی طرح اس کا انطباق بھی ہم جس طرح چاہیں گے اپنی مرضی سے کریں گے۔

تیسرا اعتراض یہ ہے کہ یہ تجویز ان اصولوں کے بالکل خلاف ہے جو قانونی سمجھ بوجھ رکھنے والا کوئی آدمی قرآن مجید کے احکام میراث سے سمجھ سکتا ہے۔ قرآن کی رو سے کوئی حق وراثت مورث کی زندگی میں پیدا نہیں ہونا مگر یہ تجویز اس مفروضے پر قائم ہے کہ یہ حق مورث کی زندگی ہی میں قائم ہو جاتا ہے اور صرف اس کا نفاذ مورث کے مرنے تک ملتوی رہتا ہے۔ قرآن کی رو سے میراث میں صرف ان لوگوں کا حصہ ہے جو مورث کی وفات کے وقت زندہ موجود ہوں۔ مگر یہ تجویز ان لوگوں کا حق بھی ثابت کرتی ہے جو اس کی زندگی میں مر چکے ہوں۔ قرآن کسی مردے کو محض میراث دلوانے کی خاطر زندہ فرض نہیں کرتا، مگر یہ تجویز مردوں کو زندہ فرض کر کے ان کے حصے وصول کرتی ہے اور پھر فوراً انہیں مردہ فرض کر لیتی ہے۔ قرآن بعض رشتہ داروں کے حصے قطعی طور پر مقرر کر دیتا ہے جن میں کمی بیشی کرنے کا کسی کو حق نہیں ہے، مگر یہ تجویز خود قرآن کے مقرر کیے ہوئے بعض حصوں میں کمی اور بعض میں بیشی کر دیتی ہے جیسا کہ ہم ابھی عملی تقسیم کی مثالوں سے بتائیں گے۔

چوتھا اعتراض یہ ہے کہ اگر اس قانون کو نافذ کر دیا جائے تو اسلامی قانون وراثت کا پورا نظام درہم برہم ہو جائے گا، تقسیم میراث کی نہایت غیر معقول اور مضحکہ انگیز اور پیچیدہ صورتیں پیدا ہوں گی اور اکثر حالات میں تقسیم قرآنی اصولوں ہی کے نہیں بلکہ صریح قرآنی احکام کے بھی خلاف واقع ہوگی۔ اس اعتراض کو واضح کرنے کے لیے ہم چند مثالیں پیش کرتے ہیں جن سے اس تجویز کی عملی قباحتیں نمایاں ہو کر سامنے آجائیں گی۔

(۱) فرض کیجیے ایک شخص کی زندگی میں اس کے ایک بیٹے اور ایک بیٹی کا انتقال ہو جاتا ہے جو دونوں شادی شدہ تھے، بہو بھی نکاح ثانی کر لیتی ہے اور داماد بھی دوسری شادی کر لیتا ہے۔ اس کے بعد یہ شخص دو زندہ بیٹے چھوڑ کر مر جاتا ہے۔ قرآن کی رو سے اس کے یہی دو بیٹے اس کی ساری جائداد کے مالک ہوں گے، مگر حمیہ صاحب کے مسودہ قانون کی رو سے مردہ بیٹے کے حصے

کا چوتھا اس کی بیوی کو اور مردہ بیٹی کے حصے کا نصف اس کے شوہر کو دیا جائے گا۔ کیونکہ مردہ (مگر بحیثیت مفروضہ زندہ) زوجین کی وراثت کا حق زندہ بیوی اور شوہر کی طرف بحیثیت جائین اور وارث کے راجع ہو جائے گا۔

(۲) فرض کیجیے کہ ایک شخص کے چار بچے اس کی زندگی میں مرتے ہیں۔ بعد میں یہ شخص چار بچے اور ایک بیوی (جو ان سب بچوں کی ماں ہے) چھوڑ کر مر جاتا ہے۔ قرآن کی رو سے اس کی بیوی کو کل جائداد کا $\frac{1}{2}$ ملنا چاہیے اور باقی $\frac{1}{2}$ چاروں زندہ بچوں کا حصہ ہے، مگر چیمہ صاحب کے مسودہ قانون کی رو سے ان بچوں کی ماں اپنے چاروں مرے ہوئے بچوں کے حصوں میں سے بھی $\frac{1}{4}$ فی بچہ کے حساب سے وصول کرے گی۔ اس طرح ایک عورت کے جتنے زیادہ بچے شوہر کی زندگی میں مر چکے ہوں اتنا ہی زیادہ اس کا حق بڑھتا اور زندہ بچوں کا حق کم ہوتا چلا جائے گا۔

(۳) فرض کیجیے کہ ایک شخص کے دو بی لڑکے تھے اور دونوں اس کی زندگی میں وفات پا گئے۔ ایک لڑکا اپنے پیچھے چار بچے چھوڑ کر مرا۔ دوسرا لڑکا صرف ایک بچہ چھوڑ کر مرا۔ قرآن کی رو سے یہ پانچوں پوتے حق ولایت میں بالکل برابر ہیں، اس لیے داد کی جائداد میں سے ان سب کو برابر حصہ ملنا چاہیے، مگر چیمہ صاحب کے مسودہ قانون کی رو سے اس شخص کی جائداد میں سے آٹھ آنے ایک پوتے کو ملیں گے اور باقی چار پوتوں کے حصے میں صرف دو دو آنے آئیں گے۔

(۴) فرض کیجیے ۱۹۵۲ء میں ایک شخص لا ولد مرتا ہے۔ اس کے والدین پندرہ بیس برس پہلے مر چکے تھے، اب اس کا صرف ایک بھتیجا زندہ ہے۔ اس سے پہلے ۱۹۴۲ء میں اس کا ایک بھائی مر گیا تھا اور اس کی جائداد اسی وقت اس کے لڑکوں میں تقسیم ہو گئی تھی مگر اب صرف اس کی بیوی زندہ ہے۔ ۱۹۴۵ء میں اس کی بہن مر گئی تھی اور اس کی جائداد بھی اسی وقت اس کے وارثوں میں تقسیم ہو چکی تھی، مگر اب صرف اس کا شوہر زندہ ہے۔ لا ولد مرنے والے شخص کا وہ بھائی بھی ۱۹۵۰ء میں مر گیا تھا جس کا ایک بیٹا اب تک زندہ ہے۔ اب ۱۹۵۲ء میں اس شخص کے مرنے پر رائج الوقت شرعی قانون کی رو سے اس کی ساری جائداد اس کا بھتیجا لے گا۔ لیکن چیمہ صاحب کے مجوزہ قانون کی رو سے اس کی وہ بھانج بھی آتی ہے جس کا شوہر

۱۹۴۵ء میں مرا تھا، اور اس کا وہ بہنوئی بھی آجاتا ہے جس کی بیوی ۱۹۴۵ء میں مری تھی اور یہ دونوں اپنے اپنے حصے وصول کر لیتے ہیں کیونکہ چیمہ صاحب کا یہ قانون ان دونوں، بھائی بہنوں کو زندہ فرض کرتا ہے جنہوں نے مورث کی وفات سے برسوں پہلے وفات پائی تھی اور پھر انہیں مورث کی وفات کے بعد فوراً ہلاک بھی کر دیتا ہے۔

(۵) فرض کیجیے کہ ایک شخص کی وفات کے وقت اس کی تین بیٹیاں اور ماں باپ زندہ ہیں۔ اس سے پہلے اس کی زندگی میں اس کی دو بیٹیاں مر چکی تھیں جن کی اولاد بھی موجود ہے اور شوہر بھی زندہ ہیں قرآن کی رو سے اس کی جائیداد کا $\frac{1}{2}$ حصہ زندہ بیٹیوں کو اور $\frac{1}{4}$ والدین کو ملنا چاہیے، مگر چیمہ صاحب کا مسودہ قانون دونوں مری ہوئی بیٹیوں کو زندہ فرض کر کے نہ صرف ان کی اولاد کو بلکہ ان کے شوہروں کو بھی حصہ دلواتا ہے اس موقع پر یہ دیکھ لیجیے کہ قرآن صاف الفاظ میں یہ کہہ رہا ہے کہ زَرْئُكَ تَبْتَ ذَا فَوْقَ اثْنَيْنِ فَلَهُنَّ ثُلُثَا مَا تَرَكَ (اگر ہوں دو سے زیادہ لڑکیاں تو ان کے لیے اُس مال کا $\frac{1}{3}$ حصہ ہے جو مرنے والے نے چھوڑا) اور وَلَا يُوَدِّعُ يَكْلٍ وَاحِدٍ مِنْهُمَا الشُّدُنُ مِمَّا تَرَكَ اِنْ كَانَ لَهُ وَلَدٌ اور میت کے والدین میں سے ہر ایک کے لیے اس کے ترکے میں سے $\frac{1}{4}$ ہے اگر میت کی اولاد موجود ہو) لیکن یہاں قرآن کے مقرر کیے ہوئے دونوں حصے کم کیے جا رہے ہیں اور غیر موجود لوگوں کو موجود فرض کر کے ان کے وارثوں کو حصہ دلویا جا رہا ہے۔

(۶) مختلف اوقات میں مرے ہوئے لوگوں کو زندہ فرض کرنے اور ان کے وارثوں کی ایک بعد کے مرنے والے شخص کی میراث میں ثابت کرنے سے جو حسابی پیچیدگیاں واقع ہوتی ہیں ان کا اندازہ ہر وہ شخص کر سکتا ہے جس کو کبھی تقسیم میراث کے مسائل سے سابقہ پیش آیا ہو۔ چیمہ صاحب اور ان کے مسودے کی تائید کرنے والے اصحاب ذرا سا غور فرمائیں تو یہ بات ان کی سمجھ میں آسکتی ہے کہ قانون میراث کی رو سے ہر مرنے والے شخص کے ترکے میں چند آدمی وارث ہوتے ہیں۔ اب اگر ایک شخص کے اُن تمام اقربا کو زندہ فرض کر لیا جائے جو مثلاً اس کی پچاس سال کی زندگی میں مرے ہوں، اور ان میں سے ہر ایک کے وارثوں اور وارثوں کے وارثوں کا حصہ اس شخص کے ترکے میں ثابت کیا جائے تو میراث کا حساب لگانا اور اس کو عملاً تقسیم کرنا قریب قریب ناممکن ہو جائے گا۔ اس کی توضیح میں بہت سی مثالیں پیش کی جاسکتی ہیں، مگر ان کے پیش کرنے سے یہ مضمون عام فہم نہ رہے گا، اس لیے ہم مثالوں کو چھوڑ کر صرف ذی فہم اصحاب کے تصور سے

اپنی کرتے ہیں۔ وہ خود تصور کر کے دیکھیں کہ ایک شخص کی بچاؤ سالہ زندگی میں مرنے والے اقرباء کے ممکن وارثوں کا حساب کہاں جا کر ٹھہرے گا اور کون اس کا حساب لگا کر ترک تقسیم کر سکے گا۔ قرآن کے سمجھنے والے اہل علم نے میراث کا حساب اس وقت سے شروع کیا تھا جب کہ ایک شخص مر جائے اور نیچے زندہ وارث چھوڑے۔ مگر وہ سب جاہلِ ملامت قرار دیئے گئے۔ اب نئے مجتہدین ہر انسان کی موت سے پہلے اس کی میراث کھول کر حساب اُس وقت سے شروع کرتے ہیں جب وہ پیدا ہوا تھا اور زندگی بھر اس کے جتنے وارث ممکن ہو سکتے تھے ان سب کو اس کی موت کے وقت حصہ وصول کرنے کے لیے قبروں سے اٹھا کر لے آتے ہیں۔ اس کے عملی نتائج جب سامنے آئیں گے تو پتہ چلے گا کہ دراصل ”جاہلِ ملامت“ کون ہیں۔

منکرینِ حدیث کی تازہ ترمیم

ان پیچیدگیوں سے بچنے کے لیے چیمہ صاحب کے مسودہ قانون میں تازہ ترمیم جو منکرینِ حدیث کی طرف سے پیش کی گئی ہے یہ ہے :

”مورت کا کوئی ایسا نبی رشتہ دار جو اس کے ترکے میں سے اس کی وفات کے بعد حصہ پاتا،

لیکن جو مورت کی وفات سے پہلے ہی فوت ہو گیا ہو، اس کی جگہ اس کا قریب ترین نبی رشتہ دار

لے لیگا اور مورت کی وفات کے وقت وہی حصہ پائے گا جو اس فوت شدہ کو ملتا اگر وہ متعدد

ہیں تو وہ حصہ ان میں قرآنی قانونِ وراثت کے مطابق تقسیم کر دیا جائے گا۔“

چونکہ چیمہ صاحب اور ان کے ہم خیال اصحاب اس معاملے میں منکرینِ حدیث ہی سے الہام حاصل

کر رہے ہیں، اس لیے بعید نہیں کہ وہ نعمتِ غیر مترقبہ سمجھ کر اس سہارے کو تھام لیں جو عینِ وقت

پر انہیں دیا گیا ہے۔ مگر قبل اس کے کہ وہ اس کی طرف لپکیں ہم ان سے عرض کریں گے کہ ذرا اچھی طرح

اس ترمیم اور اس کے نتائج کو سمجھ لیں۔

اس ترمیم میں دو مرحلوں پر ”نسبی رشتہ دار“ کی قید لگائی گئی ہے پہلے مرحلے میں مورت کے وفات

یافتہ ممکن وارثوں میں سے صرف نسبی رشتہ داروں کو قبروں سے اٹھا کر لایا جاتا ہے اور دوسرے

کہ وہ ہیں پڑا رہنے دیا جاتا ہے۔ دوسرے مرحلے میں قبروں سے نکل کر حصہ وصول کرنے والے نبی رشتہ دار جب از روئے قانون یکا یک مہلتے ہیں تو ان کے صرف نبی رشتہ داروں کو میراث دلائی جاتی ہے اور باقیوں کو دھمکا دیا جاتا ہے

سوال یہ ہے کہ یہ دو دوسروں پر نبی رشتہ دار کی قید ”قرآنی قانون وراثت“ کی کس دفعہ سے اخذ کی گئی ہے؟ اگر قرآن واقعی یہ اجازت دیتا ہے کہ ایک شخص کے جو ممکن وارث اس کی زندگی میں مر چکے ہوں انہیں اس کی وفات کے بعد میراث وصول کرنے کی خاطر قانونی زندگی عطا کی جائے تو پھر یہ انعام سارے ممکن وارثوں پر عام ہونا چاہیے۔ یہ بے انصافی قرآن میں کہاں پائی جاتی ہے کہ قبرستان سے صرف نبی رشتہ داروں کو چھانٹ چھانٹ کر اٹھالایا جائے اور بیوی یا شوہر کو جو عمر بھر مورث کے رفیق رہے، انہیں وہیں چھوڑ دیا جائے؟ پھر اس کو بھی جانے دیا جائے تو یہ کیا غضب ہے کہ بن نبی رشتہ داروں کو آپ قبروں سے اٹھا کر لائے تھے ان کا حصہ مورث کی جائداد سے وصول کر لینے کے بعد آپ نے ان کے صرف نبی رشتہ داروں کو وراثت عطا فرمائی اور دوسرے حق داروں کو محروم الارث کر دیا کیا آپ قرآن سے یہ ثابت کر سکتے ہیں کہ ایک شخص اگر مورث کی وفات کے وقت قانونی مفروضہ کے طور پر نہیں بلکہ واقعی زندہ ہوتا اور مورث کی وراثت میں سے حصہ پانے کے بعد مرنا تو اس کے صرف نبی رشتہ دار ہی اس کی میراث پاتے؟

شاید آپ یہ کہیں کہ یہ قیود ہم نے قرآن کی نص صریح سے نہیں بلکہ ”اسلام کی روح“ سے اخذ کی ہیں مگر ہم عرض کریں گے کہ قیمیم پھول پر رحم تو بلاشبہ ”اسلام کی روح“ ہے، مگر بیوہ عورتوں کے ساتھ ظلم کون سے ”اسلام“ میں ہے جس کی روح آپ نکال کر لائے ہیں؟ آپ کی ترمیم کا صاف منشا یہ ہے کہ جائداد بس اپنے نسب والوں میں رہے، متوفی کی بیوی یا شوہر کو دے کر دوسرے خاندانوں میں نہ پہنچائی جائے۔ یہ اسلام کی روح ہے یا پڑانے ہندوانہ رواجی قانون کی روح؟

اچھا تھوڑی دیر کے لیے ان اصولی اعتراضات کو بھی جانے دیجیے۔ قیمیم صاحب کی تجویز کردہ ترمیم کے بجائے آپ کی یہ ترمیم ہی سہی۔ اس میں نبی رشتہ دار سے ماں باپ تو خارج نہ ہو

فرض کیجیے ایک شخص کی زندگی میں اس کے باپ کا انتقال ہو جاتا ہے۔ باپ کی ایک دوسری بیوی بھی تھی جس سے اولاد موجود ہے اور باپ کی اس بیوی سے بھی اولاد ہے جس کے بطن سے یہ شخص پیدا ہوا ہے۔ اس شخص کے اپنے بیٹے بیٹیاں بھی موجود ہیں۔ اب اس شخص کا انتقال ہوتا ہے۔ آپ اپنے قاصد کے مطابق اس کے مرتے ہی میراث وصول کرنے کے لیے اس کے برسوں پہلے مرے ہوئے باپ کو قبرستان سے اٹھا لاتے ہیں اور "نسبی رشتہ دار" ہونے کی حیثیت سے وہ کل میراث کا ۱/۲ حصہ قرآنی حصہ وصول کرتا ہے۔ اس حصے کو وصول کرنے کے بعد آپ کے قانونی مفرد حصے کے مطابق وہ خود بھی مر جاتا ہے۔ اب لا محالہ اس کے نسبی رشتہ دار اس کے وہ سب بیٹے بیٹیاں ہیں جو اس کی دونوں بیویوں کے بطن سے پیدا ہوئے تھے۔ ان کے علاوہ آپ کے "قرآنی قانونِ داشت" کی رو سے اس کے وہ پوتے اور پوتیاں اور نواسے اور نواسیاں بھی اس کے وارث ہیں جن کے ماں باپ اس کی زندگی میں مر چکے تھے۔ کیا آپ اس سے انکار کریں گے کہ یہ ۱/۲ ان سب میں تقسیم ہونا چاہیے؟ آپ کی تجویز کو وہ ترمیم کی رو سے یہ مفرد ہونا چاہیے، حالانکہ یہ صریح احکام قرآنی کے خلاف ہے۔ قرآن کی رو سے جس شخص کی اولاد موجود ہو اس کے سگے اور سوتیلے بھائیوں کو میراث کا کوئی حصہ نہیں پہنچتا اور نہ اس کے مرے ہوئے بھائی بہنوں کی اولاد کو کوئی حصہ پانے کی حق دار ہے، مگر آپ اس کے مرے ہوئے باپ کو قبر سے اٹھا لاتے اور اس کا حصہ وصول کر کے آپ نے زندہ اولاد کی حق تلفی کر دی، یہ صرف ایک مثال ہے۔ ایسی اور بہت سی مثالیں پیش کی جاسکتی ہیں جن سے معلوم ہو گا کہ مرے ہوئے باپ، ماں، دادا، دادی، مانی وغیرہ کو جو سب "نسبی رشتہ دار" کی تعریف میں آتے ہیں، قانونی طور پر زندہ فرض کر لینے سے کیا پیچیدگیاں پیدا ہوتی ہیں۔

اس کے بعد آپ شاید اس میں پھر ترمیم کریں گے اور "نسبی رشتہ دار" کی قید ہٹا کر "اولاد" کی قید بڑھائیں گے۔ کیونکہ "قرآنی قانونِ داشت" آپ کی ذاتی ملکیت ہے، اس میں ہر طرح کے تصرفات کرنے کا آپ کو بے قید و سنس ملا ہوتا ہے۔ لیکن "اولاد" کی قید لگا کر بھی آپ پیچیدگیوں سے نہیں بچ سکتے۔ ایک شخص کی زندگی میں جو بچے مر چکے ہوں ان کو جب میراث وصول کرنے کے لیے آپ اس کی

وفات کے بعد قبروں سے اٹھا کرے آئیں گے تو بے شمار مختلف طریقوں سے زندہ اولاد کی حق منغیاں الگ ہوں گی اور حساب کی پیچیدگیاں الگ واقع ہوں گی۔

مسئلے کی اصل حقیقت اور اس کا صحیح حل

اوپر جو بحث ہم نے کی ہے اس سے یہ بات واضح ہو گئی کہ امت کے تمام اگلے پچھلے علماء کو جاہل ملّا قرار دے کر قرآن نہیں اور روح اسلام کی واقعیت کے بلند بانگ ادعا کے ساتھ اجتہاد کا جو شاندار نمونہ ہمارے سامنے پیش کیا گیا ہے اس کی علمی و عقلی حیثیت کیا ہے اور اس سے یہ بھی اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ اس طرح کے اجتہاد سے اگر اسلامی قوانین کی مرمت شروع کر دی گئی تو اس کے نتائج کیا ہونگے۔

اب ہم مختصراً یہ بتانا چاہتے ہیں کہ اگر ان لوگوں میں اپنے پورے ماضی کے خلاف یہ بعض نہ ہوتا، اور حدیث، فقہ اور تفسیر کے پورے ذخیرے کو غرقِ مٹے ناب کر کے یہ حضرات قرآن کی من مانی تاویلیں کرنے پر نہ اتر آتے، تو اس مسئلے کا حل اسلامی قانونِ وراثت کے ”راج الوقت“ نظام ہی کے اندر باسانی نکل سکتا تھا۔

پہلے اچھی طرح سمجھ لیجیے کہ اصل مسئلہ فی الواقع کیا ہے اور کس طرح پیدا ہوا ہے۔ ہر خاندان کے کچھ اپنے مخصوص حالات ہوتے ہیں۔ کسی خاندان میں بیٹوں اور بیٹیوں کی یتیم اولاد ہوتی ہے۔ کسی میں نادار و محتاج بھائی بہن ہوتے ہیں۔ کسی میں کوئی بیوہ بھابھ ہوتی ہے۔ کسی میں کوئی بے سہارا بھتیجا ہوتا ہے۔ کسی میں چند غریب چچا زاد، ماموں زاد، خالہ زاد بھائی بہن ہوتے ہیں۔ اس طرح کے مختلف انفرادی حالات میں ایک صاحبِ خاندان خود ہی یہ فیصلہ کر سکتا ہے کہ اس کے گرد و پیش کون کس مدد کا محتاج ہے اور وہ اس کی کیا مدد کرے۔ کوئی جامع اور ہموار قانون ان بے شمار مختلف حالات کے لیے نہیں بنایا جاسکتا۔ قانون جب بھی بنایا جائیگا، الگ الگ انفرادی حالات کو سامنے رکھ کر نہیں بلکہ کسی خاص اصول پر بنایا جائے گا جو مجموعی طور پر

سب حالتوں میں یکساں حل سکتا ہو۔

قرآن مجید نے اس صورت حال کے لیے جو منابطہ مقرر کیا تھا اس کے تین اجزاء تھے :-

(۱) صاحبِ خاندان اپنی زندگی میں مختار رہے کہ جس کو جو کچھ چاہے دے دے۔ اس قانونی اختیار کے ساتھ قرآن نے اپنے پیروں کو یہ اخلاقی ہدایت بھی دی کہ تمہارے رشتہ دار مدد کے اولین مستحق ہیں اور ان کے ساتھ صلہ رحمی کرنا تمہارا اخلاقی فرض ہے۔

(۲) مرنے سے پہلے ہر شخص کو یہ بھی اختیار ہے کہ وہ اپنے پیچھے جن لوگوں کو چھوڑ دیا ہے ان کے حالات اور ضروریات کو ملحوظ رکھ کر جس کے لیے جو کچھ چاہے وصیت کر دے تاکہ وہ اس کی موت کے بعد پوری کر دی جائے۔ قرآن نے صرف یہ اختیار ہی نہیں دیا بلکہ یہ فرما کر اس کی تاکید بھی کر دی کہ اس طرح کی وصیت کر دینا متقی لوگوں پر ایک حق ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرما کر اس کو اور زیادہ منوکد کر دیا کہ آدمی پر ایک رات بھی ایسی نہ گزرنی چاہیے جس میں اس کی وصیت لکھی ہوئی نہ رہی ہو۔ فرمان نبوی کے مطابق ایک شخص اپنی کل املاک کا $\frac{1}{3}$ حصہ تک ان لوگوں کے لیے وصیت کر سکتا ہے جو قانون میراث کے مطابق اس کے ترکے میں سے حصہ نہ پا سکتے ہوں۔

(۳) مرنے کے بعد جو ترکہ آدمی چھوڑ گیا ہو وہ اس اصول پر تقسیم کیا جائے گا کہ جو لوگ رشتے میں مورش سے قریب تر ہوں وہ حصہ پائیں گے خواہ وہ محتاج نہ ہوں، اور جو بعید تر ہیں وہ حصہ نہ پائیں گے، خواہ وہ محتاج ہی ہوں۔ اس قاعدے میں مختلف خاندانوں کے انفرادی حالات کا لحاظ کر کے کوئی رد و بدل نہیں کیا جاسکتا، ورنہ پھر کوئی مستقل قانون میراث وضع کرنے کے بجائے ہر شخص کے قریب و دور کے رشتہ داروں کی احتیاج کو مد نظر رکھ کر ہر بار ایک نیا قانون وراثت بنانا لازم ہو گا۔

اس انتظام پر غور کیجیے۔ اس میں مال کا ایک حصہ خود صاحب مال کے اختیار تئیری پر چھوڑا گیا ہے تاکہ وہ انفرادی حالات کے لحاظ سے جس طرح مناسب سمجھے اپنے اہل خاندان کی ضروریات

پوری کرے۔ اور ایک حصے پر قانون میراث جاری کیا گیا ہے جو بہر حال ایک جامع اصول ہی کے مطابق تقسیم ہوتا ہے، الگ الگ خاندانوں کے انفرادی حالات کے مطابق توڈا موڈا نہیں جاسکتا۔ اگر اس انتظام پر ٹھیک ٹھیک عمل ہوتا رہتا تو کیا یہ ممکن تھا کہ وہ مسائل پیدا ہو جاتے جن کو حل کرنے کے لیے پیچیدہ صاحب کے مسودہ قانون کی ضرورت پیش آئی ہے؟ ظاہر ہے کہ اس سوال کا جواب ہر معقول آدمی نفی ہی میں دے گا۔

پھر اب یہ مسائل کیسے پیدا ہو گئے؟ اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ قرآن کے تجویز کردہ انتظام کی پہلی شق یعنی مہر پر حکومت کے موجودہ قوانین نے طرح طرح کی پابندیاں عائد کر دی ہیں، یہاں تک کہ ایک صاحب خاندان کے لیے اس پر عمل کرنا قریب قریب محال ہو گیا۔ اور اس کی دوسری شق لوگ خود بھول گئے تھے کہ اب شاذ و نادر ہی کوئی شخص اس طرح کی وصیت کرتا ہے جو قرآن و حدیث میں تجویز کی گئی ہے۔ اس کے بعد لامحالہ ہر محدث کی پوری جائداد پر قانون وراثت جاری ہو جاتا ہے جس میں کسی خاندان کی انفرادی ضروریات کا لحاظ نہ تو کیا گیا ہے اور نہ کیا جاسکتا ہے۔ یہی اس مسئلے کے پیدا ہونے کا اصل سبب ہے کہ ایک مورث کی پوری میراث ان لوگوں کے حصے میں چلی جاتی ہے جو شرعاً وارث ہوتے ہیں، اور خاندان میں بہت سے وہ غیر وارث لوگ محروم رہ جاتے ہیں جن کی محرومی پر ہر ایک کو افسوس ہوتا ہے۔ جب یہ ہے اس مسئلے کی پیدائش کا اصل سبب تو بجائے اس کے کہ شرعی قانون میراث کو خواہ مخواہ ادھیر کر کے قرآنی قانون وراثت کے پُر فریب نام سے ایک سراسر غیر معقول قانون تصنیف کر ڈالا جائے، آخر کیوں نہ ان اصل اسباب کا تذکرہ کر دیا جائے جن کی وجہ سے یہ خرابی پیدا ہوئی ہے؟

دیکھیے، اگر حسب ذیل دو اصلاحیں کر دی جائیں تو تمام خرابیاں رفع ہو جاتی ہیں یا نہیں:

اول یہ کہ مہر پر سے وہ بے جا پابندیاں ہٹا دی جائیں جن کی وجہ سے ایک صاحب خاندان کے لیے اپنے اس اختیار کا استعمال مشکل ہو جاتا ہے، اور سوچ سمجھ کر صرف ایسی پابندیاں لگائی جائیں جو اس کے بجا استعمال کو روکتی ہوں۔

دوم یہ کہ وصیت کے لیے ایک قانون بنا دیا جائے جس کا حاصل یہ ہو کہ جو شخص مہر اور وصیت کے بغیر مر گیا ہو اور اس کے خاندان میں ایسے غیر وارث اقربا موجود ہوں جو اس کی مدد پر منحصر تھے، اس کے